کاروانِ حریت کے سپہ سالار جمہوری قدروں کے پاسبان

مفکرِ ملت

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ

مولانا مفتی جمیل الرحمٰن قاسمی ، شاہ ولی اللہ اکیڈمی ، نئی دلی۔

بنی نوع انسان کی تاریخ میں ہزارہا اربابِ فضل و کمال، اہلِ فراست، اہلِ بصیرت، صاحبانِ علم و عرفان کائناتِ رنگ و بو کے مطلع وجود پر آفتاب و ماہتاب بن کر نمودار ہوئے اور پھر کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ کی تصدیق کرتے ہوئے فنا کے دبیز پردوں میں روپوش ہو گئے۔ تاہم کچھ اہلِ کمال اور ایثار پیشہ افراد قفسِ عنصری سے آزاد ہو کر بھی نقشِ دوام کی حیثیت سے جلوہ گر رہتے ہیں۔ اور دنیا کا ہر گوشہ اور ہر طبقہ ان کے تذکار سے رونق اور آسودگی حاصل کرتا ہے۔

فغاں کہ گفت نیوشندہ سخن خاموش
وگرچہ گو نہ تسلی کنم من ایں لب و گوش

مفکرِ ملت حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ اس نوع استثناء کی ایک زندہ جاوید مثال ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ کا روان

حریت کے عظیم سپہ سالار اور جمہوری اقدار و روایات کے پاسبان ہیں۔ انڈین نیشنل کانگریس اور جمعیۃ علمار ہند کے پلیٹ فارم سے متحدہ قومیت کا درس دیا۔ فرقہ واریت کو زہر ہلاہل بتایا۔ فرنگی سامراج کے خلاف کفن بہ دوش جنگ لڑی۔ قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اور جہاد حریت کے قزلباش کی حیثیت سے قربانی کی ہر منزل پر قائدانہ رول ادا کیا۔ حق گوئی، بے باکی اور بے خوفی میں بوئے اسداللہی سے سرشار نظر آئے۔ ؎

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسداللہی
آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

آزادیٔ وطن کے بعد مفتی صاحبؒ کی تمام تر توجہ ملک کے منتشر شیرازہ کو یکجا کرنے پر صرف ہوئی۔ ملک کے مختلف فرقوں میں تال میل پیدا کرنے کی ایک پُر خلوص لگن تھی۔ برادران وطن کو درد بھری آواز سے اتحاد اور اعتماد پیدا کرنے کا درس دیتے تھے۔ فرقہ وارانہ فسادات آزاد ہندوستان کی پیشانی پر کلنک لگا رہے تھے۔ مفتی صاحبؒ اپنے بزرگوں اور رفقار کار کے ساتھ اس بدنامی کو نیک نامی سے بدلنے کا ماحول پیدا کر رہے تھے، فضا میں انتشار تھا، تشتت تھا، انارکی اور لاقانونیت تھی۔ مفتی صاحب کے قلب وجگر میں اضطراب تھا، بے چینی تھی، اور کسک اور ہوک کی کیفیت تھی۔ جمعیت علمار کے قائد ہوتے ہوئے بھی وہ پوری قوم سے مخاطب ہوتے تھے۔ ان کی افتادِ طبع

تفرقہ اور گروپ بندی سے بیزار تھی۔ ان کے یہاں سب ہم وطن بھائی بھائی تھے۔ ایک فرقہ کی تباہی کو وہ پوری قوم کی تباہی سے تعبیر کرتے تھے۔ انہوں نے مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی کی قیادت میں ایک کنونشن بلایا۔ جس میں ہر پارٹی کے نمائندے موجود تھے۔ سب نے بلا امتیاز مذہب و ملت اس مسئلہ پر اظہار تشویش کیا۔ اور فسادات پر قابو پانے کے لئے حکومت کے سامنے کچھ تجاویز پیش کیں۔ پھر کلکتہ کے ہولناک فساد پر مفتی صاحب کی بے چینی بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اور انہوں نے مسلم جماعتوں کا ایک مشترک پلیٹ فارم تیار کیا۔ یہ بات شاید ارباب بست وکشاد کو اچھی معلوم نہ ہوئی۔ اور جمعیت علماء کی قیادت بدلنے کا فیصلہ کر دیا گیا۔

اس کے چند ماہ بعد حضرت مفتی صاحب کو اپنے اعوان وانصار کے ساتھ جمعیت سے بے دخل ہونا پڑا۔ لیکن مفتی صاحب نے اپنی روایت اور وضع داری میں فرق نہ آنے دیا۔ متحدہ قومیت اور سیکولرازم کے لئے وہ برابر لڑتے رہے۔ کانگریس کا پلیٹ فارم انہوں نے نہ چھوڑا۔ اور جمہوریت کی بقا وارتقاء کے لئے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ ملک کا سیکولر طبقہ مفتی صاحب کی اس وضعداری کی قدر کرتا تھا۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ، رفیع احمد قدوائی، حافظ محمد ابراہیم صاحب، ڈاکٹر سید محمود صاحب، ڈاکٹر ذاکر حسین، فخرالدین علی احمد، جنرل شاہنواز خاں، مسٹر شفیع قریشی، جناب یونس سلیم صاحب، ضیاء الرحمٰن انصاری،

خورشید عالم خاں، اور دوسرے رہنما مفتی صاحب کو اپنا شریک سفر سمجھتے تھے۔ اور اہم امور میں ان کی آرا قبول کرتے تھے۔

دوسری جانب مسلم مکاتب فکر کے زعماء مفتی صاحب کو "پکا" قوم پرست سمجھنے کے باوجود اپنا مخلص اور مسیحا گردانتے تھے۔ جناب محمد اسمٰعیل صاحب، ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی، جناب ذوالفقاراللہ صاحب، محترم سیدنا برہان الدین صاحب، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی صاحب، امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب، جناب سید حامد صاحب، مولانا محمد یوسف صاحب، مولانا ابواللیث صاحب، جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ صاحب، سلطان صلاح الدین اویسی صاحب اور جناب محمد مسلم صاحب وغیرہ حضرت مفتی صاحب کی فراست اور دوراندیشی کے قدردان تھے، اور ان کی آرا اور مشوروں کو ملی جماعتوں اور مذہبی اداروں کے حق میں مفید تر خیال کرتے تھے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہو یا جامعہ ملیہ، امارت شرعیہ ہو یا ندوۃ العلماء، دارالعلوم ہو یا مظاہر علوم، جملہ مراکز کا حسنِ انتظام مفتی صاحب کا رہینِ منت رہا۔ وہ تمام اداروں کو اپنا ادارہ اور تمام جماعتوں کو اپنی جماعت سمجھتے تھے کسی مرکز یا ادارہ میں طوفان آیا۔ اربابِ حل و عقد ندوۃ المصنفین میں جمع ہوگئے۔ مفتی صاحب درد اور تڑپ کا اظہار کرتے تھے۔ اور ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ کر بحران کو ختم کر دیتے تھے۔ ان واقعات کو اگر تفصیل کا جامہ پہنایا جائے تو دفاتر کے دفاتر درکار ہیں ؎

؎ داماںِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت، جس کو تمام مکاتب فکر کی نمائندگی حاصل ہے، کی صدارت اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ جہاں تمام زعماء نے مفتی صاحب کو مشاورت کا صدر منتخب کیا۔ اہل سیاست جو بالعموم ظاہر و باطن کا فرق رکھتے ہیں اور اپنے راز ہائے سربستہ کسی پر ظاہر نہیں کرتے۔ مفتی صاحب کو اپنے مخفی ارادوں سے مطلع کرتے اور ان کی بصیرت و فراست سے بے تکلف مستفید ہوتے۔ اس وضع اور کردار کا انسان بلا ریب صدیوں میں پیدا ہوتا ہے۔ رُبع مسکوں پہ بسنے والے ابنائے آدم کیا، عرشیوں کی جماعت بھی اس پیکرِ اخلاق پر رشک کرتی ہے۔ کہکشاں اس کی عملی ضیاء پاشیوں سے نور اخذ کرتا ہے، اور گیتی کے گلہائے رنگارنگ اس کے بے لوث کارناموں کی تخم کاریوں سے زینت اور تابانی حاصل کرتے ہیں۔ ؎

جمع ہیں تجھ میں سب وصف دہنرائے مجمع خوبی
ملاقاتی ترا گویا بھری محفل سے ملتا ہے

اپنی ان گوناگوں مصروفیات کے باوجود چھوٹے مدارس اور مکاتب سے بھی مفتی صاحب نگرانی اور سرپرستی کا تعلق رکھتے تھے۔ مدارس کے ارباب اہتمام ان کے پاس جاتے اور ان کا قیمتی وقت لیتے۔ مفتی صاحب تکان اور نقاہت کے باوجود ان کے مسائل سے پوری دلچسپی لیتے جمعیت علماء سے علیحدہ کیے جانے کے باوجود بھی سینکڑوں مدارس ان کی سرپرستی میں کام کرتے رہے۔ والد محترم الحاج قاری عبدالرحمٰن صاحب مرحوم کے جامعہ رحمانیہ سے بھی مفتی صاحب کو تعلق خاطر رہا۔ بارہا مدرسے کے جلسوں کو رونق بخشی اور اپیلیں تحریر فرمائیں۔ ہاپوڑ سے

جو وفد مفتی صاحب کی خدمت میں پہونچتا تو مفتی صاحب اس سے سوال کرتے کہ بھائی ہمارے قاری جی خیریت سے ہیں۔ ایک مرتبہ والد صاحب نے کسی مسئلہ میں پریشانی ظاہر کی۔ مفتی صاحب وضو کر رہے تھے۔ وضو کے چپل پہنے پہنے والد صاحب کو لے کر سید عزیز شیخ صاحب کے مکان پر پہونچ گئے اور فرمایا کہ ان کا کام میرا کام ہے آپ کو انجام دینا ہے۔

اتنے عظیم مناصب پر فائز ہونے کے باوجود بڑائی کا احساس دور دور تک نہ تھا۔ کسر نفسی، خوش خلقی اور ملنساری سے اپنوں اور پرایوں کے دل جیت لیتے تھے۔ بڑے سے بڑا مخالف ایک دو ملاقات کے بعد ولی حمیم بن جاتا تھا۔

دارالعلوم کے بحران کے زمانہ میں اکثر ان سے فیض حاصل کرنے اور ان کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ہر مخالف، موافق کے ساتھ خندہ پیشانی کا معاملہ دیکھا۔ میں نے بغور جائزہ لیا کہ یہ خوش روئی صرف ظاہر تک محدود نہ تھی، بلکہ باطن بھی پاک و صاف تھا۔ کسی سے رنجش اور کبیدگی کا کوئی نشان نہ تھا۔ جذبۂ انتقام تو بڑی بات ہے۔

اس زمانہ میں بعض جریدے ناگفتنی اور غیر شائستہ مضامین لکھ رہے تھے۔ ایک صحافی نے بعض غلط فہمیوں کے سبب مفتی صاحب کو خاص طور پر ہدف بنا رکھا تھا۔ مفتی صاحب سے لوگ تذکرہ کرتے، کبھی ان مضامین کو دکھاتے۔ لیکن مفتی صاحب کے چہرہ پر کبھی ناگواری کے آثار ظاہر نہیں ہوتے۔ فرماتے: خدا ان احباب کو فہم سلیم عطا فرمائے۔ نیرنگیٔ اتفاق کہ ایک دن وہ صحافی صاحب خود مفتی صاحب کی مجلس میں پہونچ گئے۔

اس وقت مفتی ضیاء الحق صاحب، مولانا احمد علی قاسمی صاحب، مولانا فقیہ الدین صاحب، جناب جاوید حبیب صاحب، جناب محمد مجیب صاحب، ڈاکٹر ظاہر الاسلام صاحب اور متعدد احباب موجود تھے۔ مختلف امور پر تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ جب سب رخصت ہونے لگے، تو مفتی صاحب نے صحافی محترم کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا! کیوں میاں! آج کل بڑے سخت مضامین آرہے ہیں۔ ہم سے اتنے ناراض کیوں ہو؟ جو کچھ نصیحت کیا کرو، یہاں آکر کر دیا کرو۔ مفتی صاحب کے ان جملوں کا صحافی کے دل پر گہرا اثر ہوا۔ زبان گنگ ہو گئی۔ کچھ جواب نہ بن پڑا۔ سراپا شرمسار ہو کر وہاں سے واپس آئے اور اندازِ تحریر بدل دیا۔

یہ ہیں بڑے لوگوں کی بڑی باتیں جن کا آج صرف تذکرہ رہ گیا ہے۔ ان واقعات کو خامہ گرفت میں لیتا ہے تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ یہ دنیا کیوں ایسے لوگوں سے خالی ہوتی جارہی ہے۔ صاحبِ عرش بریں ہنگامِ زمین کو اس نعمتِ عظمیٰ سے کب بہرہ ور فرمائیں گے کہ ہماری زندگیاں ان نقوشِ تاباں سے آراستہ ہو جائیں۔ سے

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقاءِ دوام لا ساقی

افسوس یہ حق گو، راست باز، بے باک اور مخلص رہنما ہمارے درمیان نہ رہا۔ آج کے نت نئے مسائل اور پر آشوب ماحول میں ان کی ایمانی قوت، دینی فراست، فکری رفعت اور سیاسی بصیرت شدت سے یاد آرہی ہے۔ کاش وہ ہمارے درمیان ہوتے، ہماری ڈھارس بندھاتے، اور یاس و بیم کی لعنت سے

پچھاڑ رہا دلاتے۔ ؎

ملتِ اسلام کا تھا تو امیرِ کارواں
آگیا اب زیرِ گردش کارواں تیرے بغیر

اکنوں از غیرت جار محبت مرضیٔ مولا از ہمہ اولیٰ

وہ رضا و تسلیم کے ساتھ مسکراتے ہوئے عالمِ جاودانی کی طرف چلے گئے اور ہم کو دنیائے فانی میں روتا بلکتا چھوڑ گئے۔

اللہم اغفرلہ وارحمہ وادخلہ فی فسیح الجنۃ ۔

(ختم شد)

اسلام کا اقتصادی نظام

(تالیف : مجاہدِ ملت مولانا محمد حفظ الرحمٰن رح)

ایک عظیم الشان کتاب جس میں اسلام کے پیش کئے ہوئے اصول و قوانین کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ دنیا کے تمام معاشی نظاموں میں صرف اسلام کا اقتصادی نظام ہی ایسا نظام ہے جس نے محنت و سرمایہ کا صحیح توازن قائم کرکے اعتدال کا راستہ نکالا ہے اور جس پر عمل کرنے کے بعد سرمایہ و محنت کی کشمکش ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتی ہے اسلام کے معاشی نظام کے ساتھ ساتھ موجودہ صنعتی اور معاشی مسائل کو حقیقت کے آئینے میں دیکھنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔

صفحات ۴۰۸ بڑی تقطیع، قیمت -/۳۰ روپے مجلد -/۴۰ روپے

ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔110006